اُردو ریسرچ جرنل "تشکیل" جلد:4، شمارہ:1 (جنوری تا جون 2026ء)

Urdu Research Journal Tashkeel ISSN (Online): 3007-3294, ISSN (Print): 3007-3286
Article Received: 14-03-2026 / Accepted: 23-06-2026 / Published: 30-06-2026
https://creativecommons.org/licenses/by-nc/4.0/
Doi: https://doi.org/10.66457/tashkeel.v4i1.60

آمنہ سید

پی ایچ ڈی اُردو اسکالر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر حمیرا اشفاق

پروفیسر، شعبہ اُردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

ناول بہاؤ میں تمدن کا زوال: ماحولیاتی تغیرات کا تنقیدی جائزہ

Amna Syed
Ph.D Urdu Scholar, International Islamic University, Islamabad
Email: amnasyed.edu.pk@gmail.com
ORCID: https://orcid.org/0009-0003-0040-3862
Dr. Humaira Ishfaq
Professor, Department of Urdu, International Islamic University, Islamabad
Email: humaira.ishfaq@iiu.edu.pk
ORCID: https://orcid.org/0009-0000-1826-7633

The Decline of Culture in Novel *Bahao*: A Critical Study of Environmental Changes

ABSTRACT

This paper critically examines Mustansar Hussain Tarar's novel *Bahao* through the lens of ecocriticism, focusing on the collapse of nature and the cultural devastation caused by environmental change. The drying of the River Saraswati symbolizes the disintegration of ecological balance, leading to the ruin of a once-thriving civilization. The novel explores themes such as barrenness of land, helplessness of humans and animals, and the decline of a harmonious way of life. This study highlights how environmental degradation, triggered by both natural shifts and human actions, results in not just ecological damage but a deep civilizational and existential crisis.

Keywords: *Ecocriticism, Environment, Bahao, Mustansar Hussain tarar, River, Nature, Civilization, Devastation, Saraswati, Barrenness, Decline*

ماحولیاتی تنقید کا بنیادی موضوع ماحول اور فطرت ہے اور یہ اس نظریے کو چیلنج کرتی ہے جس کے مطابق انسان کو اس کائنات میں مرکزیت حاصل ہے اور وہ اپنے عقل و شعور کو بروئے کار لا کر دیگر موجودات و مظاہر کو مسخر کرنے اور زیر

تصرف لانے کا حق رکھتا ہے۔ گویا ماحولیاتی تنقید بشر مرکزیت (Anthropocentrism) کے جبر کو توڑنے پر زور دیتی ہے۔[1] ماحولیاتی تنقید اپنی نوعیت میں ادبی مطالعات کا ایک طریق کار ہے تاہم اس میں اور دیگر ادبی تنقیدی کلامیوں میں ایک واضح فرق ہے۔ ادبی تنقیدی نظریات بشر مرکزیت نظریے کے قائل ہیں وہ انسانی سماج، تہذیب و ثقافت اور تاریخ کو موضوع بناتے ہیں اور فطرت کو بے دخل کر دیتے ہیں جب کہ ماحولیاتی تنقید ادب اور فطرت کے مابین تعلقات، رشتوں اور انسلاکات کا مطالعہ کرتی ہے۔ یہ ادبی تنقید کا ایک زمین اساس نظریہ ہے جس کا ہدف ادبی متون میں فطرت کے "گوناگوں اظہارات کی کیفیت اور نوعیت کو تنقیدی عمل (تشریح، تجربہ، تعبیر) سے گزارنا اور اس عمل سے با قاعدہ طور پر ماحولیاتی معاملات کو تنقیدی ڈسکورس کا حصہ بنانا۔ شیرل گلاٹفیلٹی (Cheryl Glotfelty) ماحولیاتی تنقید کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

> "ماحولیاتی تنقید ایک ایسا نظریہ ہے جو ادب اور فطرت کے باہمی تعلق کا مطالعہ کرتا ہے۔ جس طرح تانیثی تنقید ادب میں صنفیافتراقات کو جانچتی ہے اور مارکسی تنقید متن میں اقتصادی اور طبقاتی کشمکش کو تلاش کرتی ہے، اسی طرح ماحولیاتی تنقید ادب کو ایک ارض مرکزی (Earth-Centered) زاویے سے دیکھنے پر زور دیتی ہے۔"[2]

ماحولیاتی تنقید کی بنیاد فلسفۂ ماحولیات کے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ ایلڈ لیو پولڈ (Aldo Leopold) نے اپنی کتاب *A Sand County Almanac* میں بشر مرکزیت کے تصور کو چیلنج کرتے ہوئے زمینی اخلاقیات کا نظریہ پیش کیا۔ پولڈ کے مطابق کرۂ ارض پر موجود تمام جاندار ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور قدرتی نظام میں ہر نوع کی اپنی ایک حیثیت ہے۔ لیو پولڈ کا ماننا تھا کہ کوئی بھی جاندار دوسرے سے برتر یا کمتر نہیں اور کسی بھی نوع کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسری نوع کا استحصال کرے یا اسے اپنے فائدے کے لیے زیرِ نگیں لائے۔ اس نظریے کے تحت ماحول اور فطرت کے ساتھ ایک متوازن تعلق قائم رکھنے پر زور دیا گیا ہے، تاکہ تمام جان داروں کے درمیان ہم آہنگی برقرار رہے۔[3]

ارن نائس (Arne Naess) اور اس کے ہم خیال امریکی فلسفی جارج سیشنز (George Sessions) کے مطابق: فلسفہ ماحولیات محض ماحول کے تحفظ تک محدود نہیں بلکہ ایک وسیع سماجی تحریک ہے۔ انہوں نے زمین پر موجود تمام انسانی و غیر انسانی زندگی کی داخلی قدر کو تسلیم کرتے ہوئے فطری تنوع اور بقا کی اہمیت پر زور دیا۔ ان کے اصولوں کے مطابق انسان کو غیر ضروری طور پر فطری نظام میں مداخلت کا حق نہیں کیوں کہ ایسی مداخلت فطری توازن کو بگاڑ سکتی ہے۔ نوع انسانی اور دیگر مخلوقات کی فلاح کے لیے آبادی میں توازن ضروری ہے اور ماحول پر اثر انداز ہونے والی اقتصادی و

نظریاتی پالیسیوں میں تبدیلی ناگزیر ہے۔ ان کا بنیادی مقصد زندگی کے معیار کو بہتر بنانا ہے نہ کہ صرف مادی ترقی کو فروغ دینا ہے۔[4]

ماحولیاتی تنقید کی اصطلاح سب سے پہلے ولیم روئیکرٹ (William Rueckert)نے ۱۹۷۸ء میں اپنے مضمون : An Ecocritism: Experiment in Literature and Ecology میں متعارف کروائی۔ اس مضمون میں ولیم روئیکرٹ نے ماحولیاتی تنقید کا تعارف یوں لکھا ہے:

> "The application of ecology and ecological concepts to the study of literature, because Ecology (as a science, as a discipline, as a vision) human for basis the greatest Relevance to the present and future." [5]

ولیم روئیکرٹ نے اس نظریے کو ادب پر لاگو کرتے ہوئے ماحولیاتی شعریات دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے مطابق جس طرح فطرت میں کوئی عنصر دوسروں سے الگ نہیں اسی طرح ادب میں متن، مصنف، قاری اور ذریعۂ تخلیق ایک مربوط اکائی کے طور پر کام کرتے ہیں۔ مزید برآں وہ ادب کو تخلیقی توانائی کی ایک شکل قرار دیتے ہیں جس طرح سورج محفوظ توانائی کا بنیادی ذریعہ ہے۔ یہ توانائی ادب میں قوتِ متخیلہ سے زبان، پھر نظم اور بالآخر قاری تک منتقل ہوتی ہے جہاں سے یہ دوبارہ تخلیقی عمل میں شامل ہو کر مسلسل جاری رہتی ہے۔[6] ولیم روئیکرٹ کے خیالات ادب اور ماحولیات کے تعلق کو واضح کرتے ہیں مگر یہ تعریف محدود ہے کیوں کہ یہ صرف ان دونوں کے باہمی رشتے تک محدود رہتی ہے۔ وین ڈیل ہیرس (Wendell Harrison)نے اپنے مضمون Towards an Contextual Ecological Criticist Contextual Towards an Ecological Criticist میں اس تصور کو وسعت دے کر ادب اور طبعی دنیا کے تمام ممکنہ تعلقات کو شامل کیا ہے۔ وین ڈیل کے نزدیک:

> "ماحولیاتی تنقید، انسانی ثقافت اور فطرت کے رشتے کا مطالعہ برابری اور باہمی احترام کے اصول پر کرتی ہے، بجائے اس کے کہ کسی ایک کی برتری قائم کرے۔ روایتی تنقیدی نظریات اور ثقافتی مطالعات عام طور پر بشر مرکزیت پر مبنی ہوتے ہیں اور انسان کے حسی، نفسی اور لسانی تجربے کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں۔"[7]

ماحولیاتی تنقید کا ایک زوایہ ماحولیاتی تانیثیت (Eco Feminism) ہے۔ تانیثی تنقید ماحولیاتی تنقید کی طرح طاقت کے عدم توازن کو چیلنج کرتی ہے۔ جیسے تانیثیت مرد و عورت کی ثنویت اور برتری کے تصور کی مخالفت کرتی ہے ویسے ہی ماحولیاتی تنقید انسان اور فطرت کے درمیان قائم غلبے کے تصور کو رد کرتی ہے۔ ڈاکٹر اورنگزیب نیازی کے مطابق،

ادب میں فطرت کو عموماً ایک مفعول کردار میں پیش کیا گیا ہے، جہاں زمین کو ماں (تحفظ دینے والی) اور بیوی (پیداوار بڑھانے والی) کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔ اس مرد مرکز بیانیے میں، فطرت اور عورت دونوں کو انسان اور مرد کے تابع تصور کیا جاتا ہے، جو غلبے کی منطق کو تقویت دیتا ہے۔[8]

شیرل گلاٹفیلٹی (Cheryl Glotfelty) نے ماحولیاتی تنقید کو سمجھانے کے لیے ایلین شوالٹر (Elaine Showalter) کے "تانیثی ماڈل" کی مثال دی، جس میں تانیثی تنقید کے تین مراحل بیان کیے گئے ہیں۔ شیرل ماحولیاتی تنقید کے مختلف مراحل کو شوالٹر کے ماڈل میں بیان کردہ تانیثی تنقید کے تین مراحل کے مماثل قرار دیتا ہے۔ اس ماڈل کی مدد سے شیرل گلاٹفلیلٹی یہ دکھاتی ہیں کہ ماحولیاتی تنقید بھی انہی مراحل سے گزرتی ہے بس اس کا دائرہ فطرت اور ماحول پر مرکوز ہوتا ہے جیسے کہ تانیثی تنقید عورت کے تجربات کو سامنے لاتی ہے۔ شوالٹر کے مطابق تانیثی تنقید کا پہلا مرحلہ ان فرسودہ نظریات کو بے نقاب کرتا ہے جو عورت کی حیثیت کو محدود کرتے ہیں جیسے مذہبی اور سماجی تصورات میں عورت کی غیر موجودگی یا اس کی کمزور تصویر کشی۔ شیرل کے مطابق ماحولیاتی تنقید بھی یہی کام فطرت کے لیے کرتی ہے یعنی یہ دیکھتی ہے کہ ادب میں فطرت کو کیسے پیش کیا گیا ہے اور وہ کون سے نظریات ہیں جو فطرت کو نظر انداز کرتے ہیں یا اسے کسی مخصوص کردار میں مقید کر دیتے ہیں (جیسے جنت، جنگلی دنیا، پاکیزہ زمین وغیرہ)۔ تانیثی تنقید کے دوسرے مرحلے میں خواتین مصنفین کی تحریروں کو دوبارہ دریافت کیا جاتا ہے تاکہ ان کے تجربات اور نقطہ نظر کو تسلیم کیا جا سکے۔ ماحولیاتی تنقید میں بھی یہی کام فطرت کے حوالے سے کیا جاتا ہے، یعنی فطرت کو ایک متحرک اور برابری کی حیثیت دینے پر زور دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جیسے تانیثی تنقید مصنفہ کی ذاتی زندگی کے محرکات کو دیکھتی ہے اسی طرح ماحولیاتی تنقید بھی مصنف کی زندگی کے ان عوامل کو تلاش کرتی ہے جو اس کے تخلیقی تجربے پر اثر انداز ہوتے ہیں خاص طور پر اس کے فطرت سے تعلق کو۔ شوالٹر کا ماڈل آخری مرحلے میں صنفی اور جنسی علامتوں کا تجزیہ کرتا ہے یعنی یہ دیکھتا ہے کہ ادب میں مرد اور عورت کو کن معنوی اور علامتی تصورات میں پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح ماحولیاتی تنقید بھی فطرت اور مختلف انواع کی علامتی تشکیل پر سوال اٹھاتی ہے۔ جیسے تانیثی تنقید عورت کے استحصال پر بات کرتی ہے ویسے ہی ماحولیاتی تنقید فطرت پر انسان کے تسلط اور اس کے استحصال کی نشان دہی کرتی ہے۔[9]

جس طرح تانیثی تنقید صنفی عدم مساوات اور عورت کے استحصال کو بے نقاب کرتی ہے اسی طرح ماحولیاتی تنقید فطرت کے ساتھ ہونے والے استحصال اور انسانی بالادستی کے تصور کو چیلنج کرتی ہے۔ دونوں نظریات اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جنہیں کمزور سمجھا گیا (چاہے وہ عورت ہو یا فطرت) ان کے حقوق اور برابری کو تسلیم کیا جانا چاہیے۔ یہ ماڈل ماحولیاتی تنقید کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے کیوں کہ یہ دکھاتا ہے کہ فطرت کو بھی اسی طرح غیر منصفانہ بیانیوں میں قید کیا

گیا ہے جیسے تاریخی طور پر عورت کو لہٰذا ماحولیاتی تنقید بھی ادب میں فطرت کے کردار کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھتی ہے جیسے تانیثی تنقید عورت کے کردار کو دیکھتی ہے۔

ماحولیاتی تنقید بنیادی طور پر ایک ادبی نظریہ ہے مگر اس کا دائرہ ادب سے بڑھ کر سماجی اور کسی حد تک سیاسی پہلوؤں تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ دو طرح کے سوالات اٹھاتی ہے: ایک ادبی اور دوسرا سماجی۔ ادبی حوالے سے یہ ادب اور فطرت کے تعلق، فطرت کی پیش کش، تخلیقی تجربے پر ماحول کے اثرات، اور ثقافتی اقدار و فطرت کے باہمی ربط کا مطالعہ کرتی ہے۔ یہ ان معانی تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے جو فطرت سے جڑے ہوتے ہیں۔ ولیم ہاروتھ کے مطابق: "ماحولیاتی تنقید فطرت اور ادب میں موجود ان علامتی اور معنوی اشاروں کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے جو متن کی ہیئت اور اس کے معنی متعین کرتے ہیں۔ یہ نظریہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ زندگی خود ایک پیغام ہے اور اس کے ہر پہلو میں ایک معنویت پوشیدہ ہے جسے دریافت کرنا ضروری ہے"۔[10] ڈریک گلیڈون (Derek Gradwin) کے بقول "ماحولیاتی تنقید ایک ایسا وسیع تنقیدی طریقہ ہے جو ادب، ثقافت اور فطرت کے باہمی تعلق کو سمجھنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ محض ادبی مطالعہ نہیں بلکہ عالمی ماحولیاتی بحران کے تناظر میں ادب اور ثقافت کے کردار پر تحقیق کرتا ہے۔ اس کا مقصد یہ دیکھنا ہے کہ ادبی اور ثقافتی متون میں فطرت کو کس طرح پیش کیا گیا ہے اور یہ کس حد تک ماحولیاتی مسائل کی نشاندہی یا ان کے حل میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے"[11]

ماحولیاتی ادبی تنقید دیگر معاصر تنقیدی تحریکات سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس کا بنیادی موضوع فرد یا سماج کے بجائے فطرت اور اس کو درپیش خطرات ہیں۔ ماحولیاتی تنقید اس بات کا جائزہ لیتی ہے کہ جدید سائنسی اور تکنیکی ترقی کے نتیجے میں فطرت کو کن خطرات کا سامنا ہے اور ادب میں ان مسائل کو کس طرح پیش کیا گیا ہے۔ ایٹمی ہتھیاروں کی دوڑ، ماحولیاتی آلودگی، قدرتی وسائل کی کمی، گلوبل وارمنگ، اور جنگلی و آبی حیات کی معدومیت جیسے مسائل کرۂ ارض کے وجود کو خطرے میں ڈال رہے۔ قاسم یعقوب کے مطابق: یہ نظریہ صرف ادب اور ماحول کے تعلق کو ہی نہیں بلکہ ان تمام عوامل کو بھی زیر بحث لاتا ہے جو انسان نے فطرت کے ساتھ جوڑ رکھے ہیں۔ اس میں دو بنیادی سوالات اٹھائے جاتے ہیں: انسان نے ماحول کو کس طرح نقصان پہنچایا ہے، اور ماحول انسان کے لیے سازگار کیوں نہیں رہا؟[12]

ماہرین ماحولیات انسان اور فطرت کو لازم و ملزوم سمجھتے ہیں مگر انسانی مداخلت نے قدرتی نظام کو بگاڑ کر اسے تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔ یہی چیز اس نظریے کے حامی ادب میں تلاش کرنا چاہتے ہیں جس میں کسی کی اجارہ داری نہ ہو۔ جہاں اس پورے قدرتی نظام اور اس سے جڑی ہر شے کو برابری کی سطح پر نہ صرف دیکھا جائے بلکہ اس کی اہمیت کو بھی مانا جائے۔ یہ پورا نظام ایک ایک زنجیر کی مانند ہے۔ ماحولیاتی تنقید ادب میں موجود فضا، ماحول، مناظر فطرت، ثقافت، رہن سہن کے طور طریقوں، مقامیت اور دینی ماحول کی عکاسی کو بیان کرنے کے طریقے پر غور کرتی ہے۔ ماحولیاتی ادبی

تنقید کی ترجیحات میں دینی اور مقامی خصوصیات کو ادب میں تلاش کرنا، ان کو درپیش خطرات کی نشان دہی کرنا اور ان کے حل کی تجاویز پیش کرنا شامل ہے۔

اردو ادب میں ماحولیاتی تنقید کا رجحان اگرچہ مغربی ادب کی طرح وسیع پیمانے پر منظم انداز میں سامنے نہیں آیا ہے تاہم مختلف ادبی تخلیقات شاعری، افسانے اور ناول میں ماحول، فطرت، اور انسان کے باہمی تعلق کو واضح طور پر پیش کیا گیا ہے مگر اسے باقاعدہ ماحولیاتی تنقید کے دائرے میں کم ہی دیکھا گیا ہے۔

اس مقالے میں مستنصر حسین تارڑ کے ناول بہاؤ کا ماحولیاتی تناظر میں تجزیہ پیش کیا جائے گا جہاں فطرت اور انسانی تہذیب کے درمیان گہرے تعلق کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ناول میں دریا کے خشک ہونے کو صرف ایک قدرتی سانحہ نہیں بلکہ تہذیبی اور معاشرتی زوال کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ اس بات کا جائزہ لیتا ہے کہ کس طرح ماحولیاتی تبدیلیاں نہ صرف قدرتی وسائل پر اثر انداز ہوتی ہیں بلکہ انسانی تمدن اور معاشرتی ڈھانچے کی بقا کے لیے بھی خطرہ بن جاتی ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کا ناول "بہاؤ" وادی سندھ کی قدیم ترین اور گم شدہ تہذیب کے موضوع پر ہے جس میں وادی سندھ کی پانچ ہزار سال پرانی گم شدہ تہذیب کو زندہ تہذیب کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ناول ہمیں آج سے پانچ ہزار سال پرانی ایک ایسی بستی میں لے جاتا ہے جو دریائے سندھ کے کنارے آباد تھی اور اس کا زمانہ موہن جو داڑو کی تہذیب کا ہم عصر زمانہ تھا۔ مستنصر حسین تارڑ اس ناول کے متعلق لکھتے ہیں:

> "پاکستان ٹائمز میں ایک ایکولوجسٹ مغل صاحب کا مضمون چولستان کے حوالے سے پڑھا جن کے مطابق ایک دیومالائی دریا سرسوتی چولستان میں بہتا تھا۔ جو نامعلوم وجوہات کی کی بنا پر خشک ہو گیا، اور اس کے کنارے بسنے والی ایک عظیم تہذیب ماضی کا حصہ بن گئی۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ موسمیاتی تغیر، گلیشیئرز کے سرکنے، اور زمین کی ساخت میں تبدیلیوں کے باعث بعض اوقات دریا یا تو رک جاتے ہیں یا اپنا رخ بدل لیتے ہیں۔ چولستان، جو کبھی گھنے جنگلات کا گھر تھا، آہستہ آہستہ ایک بے آب و گیاہ صحرا میں تبدیل ہو گیا۔ ممکن ہے کہ اس بستی میں کوئی ایک باشعور فرد ایسا بھی ہو، جو بدلتے پانیوں کو دیکھ کر یہ بھانپ چکا ہو کہ دریا کے سوکھنے کے ساتھ ہی اس بستی کا نام و نشان بھی مٹ جائے گا۔ وہ جانتا تھا کہ سرسبز زمینیں بنجر ہو جائیں گی، جانور ناپید ہو جائیں گے، اور ایک شاندار تہذیب کھنڈرات میں بدل جائے گی۔ اسی تھیم پر مبنی ناول "بہاؤ" لکھا۔"[13]

مستنصر حسین تارڑ نے ناول میں ماحولیاتی نظام (Ecology) کو ایک مجرد تصور کے بجائے ایک فعال اور ہمہ گیر قوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو نہ صرف فطرت کے عناصر کو جوڑتی ہے بلکہ انسانی تہذیب، تمدن، اور معیشت پر بھی براہ

راست اثر انداز ہوتی ہے۔ مصنف ناول میں ایک مربوط ماحولیاتی تصور کو سامنے لایا ہے جس کے مطابق فطرت میں کسی ایک عنصر کی تبدیلی پورے نظامِ حیات کو متاثر کرتی ہے۔ دریائے سرسوتی جو کسی زمانے میں زندگی، زرخیزی اور تمدن کا منبع تھا، جب خشک ہونے لگا تو اس کے اثرات محض پانی کی کمی تک محدود نہ رہے بلکہ ایک پوری تہذیب کے زوال کا پیش خیمہ بنے۔ مستنصر حسین تارڑ اس بستی کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو دریائے سریائے سرسوتی کے کنارے آباد تھی:

> "یہ لوگ دریا کے درمیان میں کیسے کھڑے ہیں پانی میں ڈوبتے کیوں نہیں اور پھر اس کے اندر ڈر زور زور سے دھڑکتا کہ یہ تو سچ مچ دریا کے بیچ کھڑے ہیں اور پانی ان کے گھٹنوں تک آتا ہے۔۔۔ اور ایک دن یہ اور نیچے ہو گا۔۔۔ اور ایک دن بے انت کچھوا اس میں تیزی سے ادھر ادھر چلتے کہ اپنے آپ کو کہیں چھپالیں، پر پانی کی کمی کی بنا پر وہ اور زیادہ دکھائی دینے لگتے۔۔۔ کسی نے ایک بڑا مگر مچھ بھی دیکھا تھا جو اپنی پوشل پٹختا تھا اور پانی میں چلتا اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتا تھا۔ ان کے کھانے کو کچھ نہ تھا اور وہ گدلے پانی سے پیٹ بھرتے تھے۔"(14)

ناول میں دریا کا خشک ہو جانا محض ایک جغرافیائی یا قدرتی واقعہ نہیں بلکہ ایک علامتی اظہار ہے۔ ایک ایسی علامت جو اس بڑے المیے کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کا سامنا آج پوری دنیا کر رہی ہے یعنی فطرت کے توازن کا بگاڑ۔ جب قدرتی نظام میں خلل واقع ہوتا ہے جیسے پانی کی قلت تو اس کا اثر صرف زمین کی زرخیزی تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کرتا ہے۔ ناول میں دریا کی خشکی نے جس طرح بستی کو زوال پذیر کیا، انسانوں اور حیوانات کو بے بس کر دیا، اور تمدن کو تباہی کی طرف دھکیل دیا۔ وہ دراصل آج کے ماحولیاتی بحران کا ایک علامتی عکس ہے۔ قدرتی وسائل کی کمی، موسمیاتی تبدیلی، اور حیاتیاتی نظام کی ناپائیداری جیسے مسائل اب عالمی سطح پر ہمارے وجود کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ تارڑ ان مسائل کو ایک تاریخی اور تہذیبی سیاق میں بیان کرتے ہیں تاکہ قاری یہ سمجھ سکے کہ ماحولیاتی زوال صرف سائنسی یا سماجی مسئلہ نہیں بلکہ تہذیبی بقاء کا سوال بھی ہے۔ اس طرح ناول ایک فکری مکالمہ بن جاتا ہے جو فطرت انسان اور تہذیب کے باہم تعلق کو نہایت فنکارانہ انداز میں سامنے لاتا ہے:

> "کنگ کوٹنے کی دھم دھم کی آواز اٹھتی تھی اور پار وشنی کے ویہڑے سے اوپر ہوتی تھی اور پھر پھیلتی تھی اجاڑ چھپروں پر اور ریت سے اٹی گلیوں میں اور ڈوبو مٹی پر جو کبھی تھی اور وہاں جہاں کبھی رکھ تھے اور اب ریت تھی اور ایک سوکھی ٹہنی تھی اور مور کا پنجر تھا جس

کے جھاڑو کے رنگ اُڑ چکے تھے اور وہاں جہاں کبھی دریا تھا اور اب اونچے خالی کنارے تھے
اور ان میں پانی کی بجائے دھم رحم کی آواز ٹھہرتی تھی اور تیرتی تھی ۔"(15)

ناول بہاؤ کی بستی ایک مربوط نظام کی علامت ہے جہاں ہر شے دوسری شے سے گہرے رشتوں میں جڑی ہوئی ہے۔ انسان، بستی، ماحول اور فطرت سب ایک دوسرے کی بقا، نمو اور روانی میں شریک ہیں۔ یہ باہم جُڑا ہوا نظام نہ صرف قدرتی توازن کی نمائندگی کرتا ہے بلکہ ایک تہذیبی ہم آہنگی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ تاہم جیسے جیسے دریا خشک ہوتا ہے، پانی کی سطح گھٹتی ہے، مچھلیاں بے قرار ہوتی ہیں اور زمین بنجر ہونے لگتی ہے، ویسے ویسے زندگی کے آثار ماند پڑتے جاتے ہیں مگر اس تمام تباہی، بے بسی اور ساکت فضا کے بیچ ایک پُر امید دھڑکن باقی ہے۔ لوگ دریا کی واپسی کے منتظر ہیں۔ اس پانی کے جو صرف ان کے جسموں کی نہیں، بلکہ ان کی تہذیب، ثقافت اور روح کی بھی آبیاری کرے گا۔ یہی امید اس ناول کا سب سے روشن پہلو ہے جو بتاتی ہے کہ فطرت کے زوال کے باوجود انسان کی آرزو، خواب اور جدوجہد زندہ رہتی ہے:

"دھکڑ دھکڑ کی آوازیں دور ہو رہی تھیں اور ہولے ہولے دور ہو گئیں۔ سروٹوں کے اوپر دھول اٹھ رہی تھی پاروشنی نے ایک بار پھر پانی کے بہاؤ پر اپنا کان لگایا اور اُدھر دیکھا جدھر سے جھاگ آیا کرتی تھی اور جدھر سے کے بولنے کی آواز آنی چاہیے تھی۔"(16)

ایک اور جگہ مصنف لکھتے ہیں:

"دریا سوکھ رہا ہے۔۔۔ اور اب کتنے دن اور رہے گا؟ دو چار ماہ۔۔۔ اور پھر کھیت ریت میں دب. چکے ہیں اور ہمارے چھپر آندھی سے اڑ چکے ہیں اور نیچے۔۔۔ سب کچھ تو گم ہونے کو ہے اور تم کہتی ہو کہ ہمیں اس آدھی مٹھی کنک کی ضرورت ہو گی۔ "ہاں۔۔۔" پاروشنی کی آنکھیں جیسے جلتی تھیں۔۔۔ "سب کچھ کبھی بھی کم نہیں ہوتا۔۔۔ کھیت ہرے بھرے ہو جاتے ہیں اگر تمہارے پاس آدھی مٹھی کنک ہو تو۔۔۔ اور تم اسے گھڑے میں ڈال دو
(17)"۔

ماحولیاتی نقطہ نظر سے کوئی شے معمولی یا حقیر نہیں ماحول میں تمام اشیا فطری ماحول کو برقرار رکھتیں ہیں مگر انسان اپنے علاوہ کسی چیز کو اہم نہیں سمجھتا۔ مصنف نے ناول میں پرندوں کی ماحولیات (Birds Ecology) کو بھی بیان کیا ہے کہ کس طرح پرندے فطری نظام کے توازن کو قائم کرنے میں اہم کردار سرانجام دیتے ہیں۔ پرندے نہ صرف ماحولیاتی عمل کا حصہ بنتے ہیں بلکہ اس کے استحکام میں بھی معاون ثابت ہوتے ہیں۔ پرندے اپنے مسکن، خوراک اور بقا کے لیے

براہ راست قدرتی ماحول پر انحصار کرتے ہیں یہی سبب ہے کہ وہ فطرت کے حیاتیاتی اور ماحولیاتی عمل میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ نے ناول میں شروع سے آخر تک پرندوں کی ماحولیات کو بیان کیا ہے:

"می آؤں۔ می آؤں "ماسا نے کان لگا کر سُنا کہ شائد دوبارہ بولے پر وہ نہ بولا چپ رہا " یہ اب اُدھر جھیل کے آسے پاسے پھرتا ہے، رکھوں میں کم آتا ہے "مور کتنے برس کا ہوتا ہے ماسا۔۔۔ یہ تو ان رکھوں میں ہمیشہ سے ہے "ہاں۔۔۔" ماسا نے سر ہلایا" یہ تو مجھ سے پہلے کا ہے۔ پتہ نہیں مور کتنے برس کا ہوتا ہے۔ پر اب یہ بوڑھا ہوتا ہے۔ اس کی آواز اب مشکل سے رکھوں کو پار کر کے بستی تک جاتی ہے۔ پہلے تو جانتے ہو جب یہ بولتا تھا تو لگتا تھا گھاگھرا کنارے کھڑا بولتا ہے۔۔۔ اور سر پر کھڑا بولتا ہے ۔۔۔" (18)

تاہم ماحولیاتی تبدیلیاں خصوصاً موسمیاتی تغیرات، جنگلات کی کٹائی، آلودگی اور آبی وسائل کی کمی، پرندوں کی بقا پر نہایت گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ درجہ حرارت میں غیر معمولی اضافہ، بارشوں میں بے ترتیبی اور غیر متوقع موسمیاتی تبدیلیاں نہ صرف ان کی ہجرت اور افزائش کے عمل میں رکاوٹ بنتی ہیں بلکہ خوراک کی دستیابی کو بھی محدود کر دیتی ہیں۔ خصوصاً دریاؤں، جھیلوں اور ندی نالوں کے خشک ہونے سے پانی پر انحصار کرنے والی پرندوں کی انواع کو شدید خطرات لاحق ہو جاتے ہیں کیونکہ پانی کی کمی ان کے رہائشی مسکن کی تباہی، خوراک کے ذرائع کی قلت اور مجموعی ماحولیاتی عدم توازن کا باعث بنتی ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے ناول میں پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں پرندوں کے خاتمے کا نوحہ بیان کیا ہے۔ ناول کے آغاز میں مصنف نے ایک پرندے کو بطور فطرت کے استعارے کے طور پر پیش کیا ہے:

"جس کی زبان اس کے تالو سے ایک مردہ سانپ کی مانند چپکی ہوئی ہے، وہ پیاسا ہے اس کا جسم زندہ ہے وہ اڑان بھر رہا ہے، پر اس کا رُواں رُواں چڑیا کے ترہیائے ہوئے بوٹوں کی طرح منہ کھولے ہانپتا ہے، اس کے پنجے نیچے سے اٹھتی ہوئی گرم لو میں جھلس رہے ہیں، اس کے سفید پر جب ایک دوسرے کے ساتھ کہیں چھو جاتے ہیں تو ان میں چنگاریاں پھوٹنے لگتی ہیں کہ ان میں نمی کا ایک قطرہ تک نہیں، اس کے سفید پر بھورے ہو رہے تھے، ان میں جذب ہوتی حدت ان کا رنگ بدل رہی ہے، وہ سوچتا ہے کہ حلق میں اگر کہیں کچھ ہے، اور اُس تھوک کو نگلنا کتنا گیلا اور زندہ کر دینے والا لگے گا۔ اُس نے حلق کو پچکایا کہ نمی کا کوئی شائبہ اُس میں سے چھوٹے مگر وہ بھی بنجر اور جھلسا ہوا کھیت تھا۔ وہاں بھی صرف لُو تھی اور ریت تھی جس کے ذرے اِس بلندی پر بھی فضا میں حدت بکھیرتے تیر رہے تھے۔ پانی کی تلاش اسے موت سے دوچار کر دیتی ہے وہ ایک خشک جھیل پر جا گرتا ہے جہاں

پرندے گرتے اور مرتے تھے، یہ سب پرندے ایک ہی جگہ پر گرتے اور یوں ان کی ہڈیوں کا ایک ٹیلا سا بن جاتا ہے۔"(19)

اگرچہ ناول میں پرندے کا مسلسل "اُڑان" میں رہنا اس کی بقا کی جنگ ہے۔ وہ گرمی، پیاس اور تھکن سے نڈھال ہے لیکن پھر بھی زندگی کو برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ حالت اس بستی میں رہنے والی تمام مخلوقات کی ہے جو تباہ حال فطرت میں بقا کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ دریاؤں، جھیلوں اور ندیوں کا سوکھ جانا، پانی کی قلت اور جانداروں کا خاتمہ بنیادی طور پر ماحولیاتی تبدیلیوں جیسے موسمیاتی تبدیلی(Climate Change) ، گلوبل وارمنگ (Global Warming)، بے قابو صنعتی ترقی، جنگلات کی کٹائی اور پانی کے غیر متوازن استعمال کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ گلوبل وارمنگ کی وجہ سے درجہ حرارت میں اضافے کے باعث بخارات کی شرح بڑھ جاتی ہے جس سے جھیلوں اور دریاؤں کا پانی تیزی سے خشک ہونے لگتا ہے۔ بارشوں کے غیر متوقع اور کم ہونے والے سلسلے بھی آبی ذخائر کو متاثر کرتے ہیں جبکہ زیر زمین پانی کے بے دریغ استعمال سے زمین بنجر ہوتی جاتی ہے۔ صنعتی فضلہ اور کیمیکل آلودگی پانی کے ذخائر کو مزید آلودہ کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے جانداروں کو پینے کے لیے صاف پانی نہیں ملتا اور ان کی بقا خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ جھیلوں کے سوکھنے سے وہاں کے ماحولیاتی نظام میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور غذائی زنجیر (Food Chain) متاثر ہوتی ہے جس کے نتیجے میں پرندے، مچھلیاں اور دیگر آبی حیات ہلاک ہو جاتی ہیں یا اپنی بقا کے لیے ہجرت کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ مصنف نے ناول میں اس تباہ شدہ منظر کو بڑی مہارت سے بیان کیا ہے:

"اس کلر اٹھی زمین پر جہاں سے جھیل ہٹ چکی تھی پرندے آتے تھے، گرتے تھے اور مرتے تھے۔ سب جانتے تھے کہ اس مقام پر پرندے صرف مرنے کے لئے آتے ہیں اور دُور دُور سے آتے ہیں، کبھی اتحاد کی صورت میں اور کبھی ان گنت ڈاروں میں وہ اِدھر آتے۔ اُن کے مردہ جسم گلتے سڑتے اور اُن کی بُو رکھوں کے اندر تک جاتی پر وہ سب ایک ہی جگہ پر گرتے اور یوں اُن کی ہڈیوں کا ایک ٹیلا سا بن گیا تھا۔۔۔ اِسی ٹیلے پر وہ بھی گرا تھا اور اب پڑا تھا اگرچہ ابھی گلا سڑا نہیں تھا۔"(20)

ناول میں جھیل کے سکڑنے اور پانی کی مسلسل کمی کا ذکر کیا گیا ہے جو زمین کے بڑھتے ہوئے ماحولیاتی بحران کی علامت ہے۔ پہلے پانی رکھوں کے تنوں تک آتا تھا مگر اب یہ صرف سو ڈیڑھ سو کروکے رقبے میں سمٹ گیا ہے اور "کلر اٹھی زمین" جیسے الفاظ بتاتے ہیں کہ پانی کی کمی زمین کو بنجر اور زرخیزی سے محروم کر رہی ہے۔ پانی کے کم ہونے سے زمین نمکین اور ناقابلِ کاشت ہو رہی ہے جس کی وجہ سے نہ صرف درخت اور پودے متاثر ہو رہے ہیں بلکہ جانداروں کے لیے بھی یہاں زندگی گزارنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ ناول میں ایک جگہ مصنف پانی کی اہمیت کو یوں واضح کرتے ہیں:

"پاروشنی ندی ہے۔ اُدھر ہری یوپیا کے پاس۔ جہاں جہاں ندیاں ہیں وہاں ہم جیسے لوگ ہیں جو زمین کھود کر بیچ ڈالتے ہیں اور پانی کی اڈیک میں بیٹھے رہتے ہیں اور ساری حیاتی یہی کرتے رہتے ہیں اور پھر اس برتن میں جو ان کی اڈیک میں ہوتا ہے اس میں جا گرتے ہیں، سارا کھیل پانی کا ہے۔ مہامیا بھی پانی بناہری نہیں ہوتی۔ اور "جہاں پانی نہیں ہوتا؟" وہاں تو بس کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یم کے کتے ہوتے ہیں یا زمین کے اندر رینگنے والے مکوڑے۔"(21)

جب پانی کم ہونے لگے تو زمین اپنی زرخیزی کھو دیتی ہے، فصلیں سوکھ جاتی ہیں اور چراگاہیں ویران ہو جاتی ہیں۔ پانی اور خوراک کی قلت صرف فطرت کو نہیں انسان اور جانوروں کی زندگی کو بھی براہِ راست متاثر کرتی ہے۔ ناولہاؤ میں یہ منظر اس کربناک حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ بقا کا انحصار ان بنیادی وسائل پر ہے، جن کے بغیر نہ انسان جی سکتے ہیں اور نہ ہی چرند پرند۔ یہی کیفیت اس اقتباس میں جھلکتی ہے جہاں دھرواما کی باتوں میں بے بسی اور حقیقت پسندی دونوں شامل ہیں:

"ان کا چارہ نہ ملا تو یہ سارے مر جائیں گے دھرواما من؟" تو اور کیا۔۔۔۔ "دھروا نے منہ پڑے کیا، چارے بنا تو ہم نہیں رہ سکتے یہ کیا رہیں گے۔۔۔"(22)

مستنصر حسین تارڑ کے نزدیک فطرت محض ایک خارجی حقیقت نہیں بلکہ انسان کے وجود اور احساسات کا ایک ناگزیر حصہ ہے جس سے بیگانگی برتنا فطری توازن سے انحراف کے مترادف ہے۔ وہ فطرت کے ساتھ گہری محبت، ہمدردی اور انسیت کے جذبات رکھتے ہیں جس کا اظہار ان کے ناولہاؤ میں بھرپور انداز میں ملتا ہے۔ اس ناول میں پاروشنی کے کردار کو انسان اور فطرت کی ہم آہنگی کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ پاروشنی ایک ماحول دوست اور فطرت شناس کردار ہے جو قدرت کے مظاہر سے گہری وابستگی رکھتی ہے۔ وہ فطرت کے حسن سے محظوظ ہوتی ہے، اس کے اسرار کو کھوجتی ہے اور ان مشاہدات کو اپنی ذات کا حصہ بنالیتی ہے۔ وہ اپنے ماحول، جغرافیے اور علاقے سے ایک خاص رشتہ رکھتی ہے اور پرندوں اور درختوں کو اپنا دوست تصور کرتی ہے۔ ان کی موجودگی میں اسے ایک روحانی مسرت کا احساس ہوتا ہے جب یہ پرندے بھوک، پیاس، طوفان یا بارش کی شدت کے باعث ہلاک ہو جاتے ہیں تو وہ گہرے رنج و الم میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ پاروشنی نہ صرف پرندوں کی حرکات و سکنات کو سمجھتی ہے بلکہ ان کی بولیوں سے بھی واقف ہے۔ پوری داستان میں مور ایک مستقل علامتی وجود رکھتا ہے، جو مسلسل "می آؤں۔۔۔ می آؤں" کہہ کر گویا اس سے مکالمہ کرتا ہے:

"می آؤں۔ می آؤں" رکھوں کے اندر سے کہیں مور بولا اس نے اپنے ہاتھ میں لکڑی کی پوٹلی کا ان بے شمار پرندوں کے ڈھیر پر رکھ دیا جو اب ہڈیاں ہو چکے تھے۔"(23)

پاروشنی پرندوں کی اڑان کے اسرار سے آگاہ ہے اور انہیں قدرتی ماحول کے بہاؤ کا ایک لازمی جزو سمجھتی ہے جیسا کہ ناول میں ایک مقام پر مذکور ہے:

"پاروشنی کے اوپر پانی کے دو پرندے ہوا میں جیسے ٹھہرے ہوئے تھے وہ بھی جیسے بہاؤ کو سنتے تھے، پر وہ تیز ہوا میں بولتے تھے۔"(24)

پاروشنی کا فطرت سے تعلق محض ظاہری مشاہدے تک محدود نہیں بلکہ وہ قدرت کے لطیف اشاروں اور ماحولیاتی تغیرات کو گہرائی سے محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کے حواس فطری عناصر کے ساتھ اس درجہ ہم آہنگ ہیں کہ وہ موسمیاتی تغیرات کے معمولی اشاروں سے بھی کسی بڑے ماحولیاتی بحران کا اندازہ لگا سکتی ہے۔ وہ دریاؤں کی لہروں کے اتار چڑھاؤ، پانی کے شور اور خاموشی کے فرق سے اس کے مزاج کو سمجھتی ہے اور اس میں پیدا ہونے والی غیر معمولی تبدیلیوں کو ایک قدرتی علامت کے طور پر لیتی ہے۔ اس کی گہری ماحولیاتی بصیرت اسے اس امر سے آگاہ کر دیتی ہے کہ جب دریا خشک ہونے لگیں، پانی کی سطح کم ہو جائے، بارشیں رک جائیں، اور زمین کی زرخیزی متاثر ہونے لگے تو یہ کسی شدید ماحولیاتی بحران کا پیش خیمہ ہے:

"دریا۔۔۔ بھی سوکھ رہا ہے"۔ پاروشنی کے اندر بہت سارا شور ہوا جیسے پہاڑوں پر پھیلے سیاہ رکھوں کے ذخیرے میں بے انت بارشیں گر رہی ہیں اور پانی کے برسنے اور گرنے کا اور بہنے کا شور ہے اور پھر یہ سارا شور سمجے سے چپ ہو گیا۔ ایسے چپ ہوا کہ صرف پاروشنی کا بھاری سانس چلتا تھا اور ان کے سامنے دریا تھا جو اس سانس کو سنتا تھا۔"(25)

پاروشنی کی فطرت شناسی کسی سائنسی مشاہدے سے کم نہیں جو نہ صرف ماحولیاتی تغیرات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہے بلکہ ان کے اثرات کو محسوس کرنے اور ان کے ممکنہ نتائج کی پیش گوئی کرنے میں بھی معاون ثابت ہوتی ہے:

"ہمارے پاس دریا ہے اور۔۔" یہ بھی نہیں ہے"۔۔۔ پاروشنی تیزی سے کچھ بولنے لگی پر ایک ہچکی کے ساتھ اس کا منہ بند ہو گیا اور آنکھیں چوڑی اس ہو گئیں اور اس کی آنکھوں میں لالی تیرتی تھی اور پھر وہ بے حد دھیمی پڑتے ہوئے بولی۔ "دریا بھی نہیں ہے ؟"(26)

پاروشنی کا فطری وجدان دراصل ناول میں انسان اور فطرت کے درمیان قائم اُس گہرے ربط کی علامت ہے جو نہ صرف جذباتی بلکہ روحانی سطح پر بھی موجود ہے۔ پاروشنی کا ماحول سے جُڑا ہونا اس کی حساسیت اور فطرت کے اشاروں کو قبل از وقت محسوس کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جب انسان فطرت سے ہم آہنگ ہوتا ہے تو وہ محض اس کے مناظر سے لطف اندوز نہیں ہوتا بلکہ اس کے اندر چھپے پیغامات کو بھی سمجھنے لگتا ہے۔ ناول کے دیگر کردار بھی اسی ہم آہنگی کا مظہر ہیں وہ پرندوں کے شور، دریا کے بہاؤ، موسم کی کروٹ، اور زمین کی سانسوں کو محسوس کرتے ہیں۔ یہ سب کردار

فطرت کو ایک خارجی حقیقت کے طور پر نہیں بلکہ ایک زندہ، متحرک وجود کے طور پر دیکھتے ہیں جو ان سے ہمکلام ہوتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ ان کرداروں کے ذریعے یہ پیغام دیتے ہیں کہ فطرت کے ساتھ جُڑا ہوا انسان کو ایک غیر معمولی شعور عطا کرتا ہے جو نہ صرف اس کی انفرادی بقاء بلکہ اجتماعی تہذیبی تسلسل کے لیے بھی ناگزیر ہے۔ اس طرح ناول ایک فکری و فطری ہم آہنگی کا بیانیہ بن جاتا ہے جہاں انسان اور فطرت ایک دوسرے کے ہم معنی اور ہم نفس دکھائی دیتے ہیں:

" سلما(پانی کا پودا)۔۔پاروشنی کی آنکھیں خوشی خوشی پھیل گئیں۔ سلما۔۔۔اس نے ادھر کو جدھر سے یہ بوٹا آیا تھا آنکھیں میچ کر دیکھا، دریا کسی بڑھیا کے سینے کی طرح ہموار تھا۔۔۔وہ فوراً نیچے بیٹھی اور کان پانی کے بہاؤ کے ساتھ لگا کر پورے بدن سے سننے لگی۔ ہاں یہ مدھم سی آواز تھی، دریا بول رہا تھا۔۔۔بڑے پانی آرہے تھے۔ بڑے پانی ایسے نہیں تھے کہ کسی کو سن گن نہ ہو، پتہ چلے کہ آرہے ہیں اور دوسروں کو بتاتا پھرے، بستی میں بولتا پھرے، اس طرح وہ واپس چلے جاتے ہیں۔ اس بار پاروشنی کی باری آگئی تھی اس نے تب تک نہیں بولنا تھا۔" پر اس بار تو دیر ہو رہی ہے۔ پانی نہ برسا ہے اور نہ ادھر سے آیا ہے۔ سمرو نے دریا کو وہاں تک دیکھا جہاں تک دیکھ سکتا تھا "بڑے پانی نہ آئے تو کیا ہو گا" پتہ نہیں۔ پاروشنی بولی۔ پر اس نے تو آنا ہے۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ نہ آئے۔ اور تب سمرو نے دیکھا کہ اس کی مٹھی ایک گیلی اور چھلی ہوئی ٹہنی پر بند ہے جسے وہ چھپا کر پیٹھ پیچھے رکھتی ہے "یہ بوٹا کیسا ہے؟" "پانی کا بوٹا ہے؟" سمرو نے پوچھا۔ "نہیں" پاروشنی اٹھنے لگی۔"(27)

ناول بہاؤ میں بستی کے لوگ اسی فطری ہم آہنگی کی مثال ہیں جو فطرت کی چھوٹی چھوٹی تبدیلیوں کو نہ صرف محسوس کرتے ہیں بلکہ اُن کے اثرات کو بھی سمجھ لیتے ہیں۔ ان کا وجدان، مشاہدہ اور فطرت سے جذباتی رشتہ انہیں اُس سطح پر باخبر رکھتا ہے جہاں سائنس یا منطق بھی اکثر خاموش رہ جاتی ہے۔ یہی ربط انسان کو فطرت کا حصہ بناتا ہے، اور اس کی بقا کا راز اسی ہم آہنگی میں پوشیدہ ہے:

"اِس برس لوگ کم بولتے تھے...اُن کے اندر کچھ ہو رہا تھا اور وہ جانتے نہیں تھے کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ سر جھکائے اپنی زمین پر جھکے اُسے کھودتے رہتے اور اُسے دیکھتے رہتے، کئی تو اُس سے باتیں کرتے جیسے وہ جیتی جاگتی مہیا ہو...پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ کام کاج پورا کر کے سب بستی میں لوٹ آتے اور پھر اُس دن کی اُڈیک میں رہتے جب سویرے سویرے بستی کی گلی میں اور اُس سے پرے کھیتوں میں ایک سرسراہٹ تیرتی، کھیر و کچھ زیادہ بولتے، ڈھور ڈنگر

ڈکرانے لگتے اور وہ جان جاتے کہ بڑے پانی آ گئے ہیں۔ پر اس بار جیسے اُنہیں بے وسائی تھی
...جو بھی کھیت میں کام پورا کر لیتا، اپنا چولہا چنگیر اٹھا کر کھاگھرا کے کنارے آ بیٹھا۔"[28]

تانیثی ماحولیاتی تنقید (Ecofeminism) عورت اور فطرت کے گہرے باہمی تعلق کو اجاگر کرتی ہے جہاں دونوں کو زندگی، تخلیق، اور زرخیزی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ عورت اور زمین دونوں تخلیق اور پیداواری قوت کی علامت ہیں۔ زمین بیج کو پروان چڑھاتی ہے اسی طرح عورت ایک نئی زندگی کو جنم دیتی ہے۔ زرخیز زمین اور زرخیز عورت دونوں ہی زندگی کے تسلسل کے لیے لازم و ملزوم ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کئی تہذیبوں میں زمین کو "ماں" سے تشبیہ دی گئی ہے (جیسے "مدر نیچر" یا "دھرتی ماں")۔ تانیثی ماحولیاتی نظریہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ فطرت اور عورت دونوں ہی مردانہ تسلط اور ماحولیاتی استحصال کا شکار ہیں۔ اگر زمین کو مسلسل استحصال، آلودگی اور ماحولیاتی تباہی کا سامنا ہو تو وہ بنجر ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح جیسے عورت کو اگر جبر، پدرشاہی اور غیر مساوی حقوق کا سامنا ہو تو وہ بھی اپنی تخلیقی صلاحیتوں اور خود مختاری سے محروم ہو جاتی ہے۔ ایک ایسی عورت جسے ماں بننے کے قابل نہ سمجھا جائے اسے بانجھ یا بے فائدہ قرار دیا جاتا ہے جیسے کہ وہ زمین جو زرخیز نہ ہو غیر مفید سمجھی جاتی ہے۔ ناول میں مصنف نے زمین کو ایسی بانجھ عورت کے مثل قرار دیا ہے جو خشک ہے اور فصل چاہتی ہے اور اپنے آپ کو ہرا بھرا دیکھنے کی امید پالتی ہے۔[29] عورت اور فطرت، دونوں کو صدیوں سے استحصال اور جبر کا سامنا ہے۔ عورت کو زیادہ کام، ذمہ داری، اور بوجھ دیا جاتا ہے جبکہ مرد اکثر خود کو طاقت کے ایک ایسے مرکز کے طور پر پیش کرتا ہے جو محض حکم دیتا ہے، وسائل کا استعمال کرتا ہے یا بیچ کر منافع کماتا ہے۔ اس نظریے کے مطابق عورت کا کام صرف گھریلو زندگی تک محدود نہیں بلکہ وہ تخلیق، معیشت، اور کھیتی باڑی میں بھی کلیدی کردار ادا کرتی ہے مگر اس کے کام کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا کم تر سمجھا جاتا ہے:

"پکلی دونوں پاؤں جوڑے، گھٹنوں کے بیچ ایک گیلی اور کچی جھجھر رکھے اُس پر جھکی تھی۔۔۔ اُس کی انگلیوں میں ہاتھ بھر کی ایک سبز ٹہنی تھی جس کا سرا کوٹ کر نرم کیا گیا تھا۔ وہ اسے دائیں بازو میں رکھے گیری کے پیالے میں ڈبوتی اور پھر جھجھر پر بوٹے الیکنے لگتی۔ کیروسے بھی کام کاج لیا کر، مانا کہ عورت ذات کو زیادہ زور دیا ہے، زیادہ بوجھ اٹھاتی ہے، مہامیا بھی تو عورت ہے۔ پکلی جو ایک صحنک کے درمیان میں بوٹے اُلیک رہی تھی ست اٹھا کر بولی "مرد ذات کا کیا ہے، چھوٹے اور پنچ کام کرنا یا بیج ڈالنا بس۔"[30]

تارڑ نے ناول میں مناظرِ فطرت کی منظر کشی نہایت تفصیل اور باریک بینی کے ساتھ کی ہے جو ماحولیاتی نقطہ نظر سے وادی سندھ کی قدیم تہذیب اور اس کے قدرتی ماحول کو اجاگر کرتی ہے۔ دریا، جنگلات، پہاڑ، درخت، جانور اور موسم

کی تبدیلیاں سبھی فطری عناصر کو ناول میں اس طرح جزئیات کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قاری انہیں محسوس کرتا ہے۔ وہ خود کو اس بستی کا باسی سمجھتا ہے، خود کو بہتے دریاؤں کے ساتھ بہتا دیکھتا ہے اور دریاؤں کے خشک ہو جانے سے خود کو فنا ہوتے ہوئے پاتا ہے:

"بڑے پانی دریا سے باہر آ کر جب پھیلتے تو بیلوں کے اس باڑے تک پہنچنے میں ایک دن یا ایک رات لگاتے اور جب یہ کوٹھڑیوں میں داخل ہوتے تو بیل ہنکارتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوتے جیسے اُن پر کسی دشمن نے حملہ کر دیا ہو۔ وہ پانی میں پاؤں مارتے، دُمیں گھماتے اور ایک دوسرے کو اپنے جثوں سے دھکیلتے کہ شائد ایسے یہ پانی اُن کی کوٹھڑی سے نکل جائیں اور وہ ایک مرتبہ پھر صاف اور سوکھی زمین پر بیٹھ کر اپنی ہی لید میں دُمیں چلا سکیں۔ اتنے میں دھروا بھی اپنی لنگی سر پر باندھے زور لگاتا اور پانی کو مشکل سے دھکیلتا اندر آ جاتا اور اُسے دیکھ کر وہ سب شانت ہو جاتے اور آرام سے کھڑے ہو جاتے، اور اگلے چند روز اسی حالت میں کھڑے کھڑے گزار دیتے۔ ہاں اس بار پانی اتنا چڑھا نہیں تھا اور وہ کھڑے رہنے کی بجائے اس میں بیٹھ گئے اس طرح کہ اُن کی تھوتھنیاں اور ریڑھ کی ہڈیاں پانی میں سے اُبھری ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔"(31)

ناول میں بارش کی منظر کشی نہایت مؤثر انداز میں کی گئی ہے بارش کا پانی زمین کو سیر اب کر کے اسے نئی زندگی بخشتا ہے۔ درخت اپنی شادابی واپس پاتے ہیں، چرند پرند تر و تازہ ہو کر اس فطری نعمت کا لطف اٹھاتے ہیں وہاں انسان بھی اس اس پانی سے خود کو سیر اب کرتا ہے۔ بارش کے پانی کے بہنے کا منظر اس تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ قاری اس کے قطروں کی نرمی، زمین پر گرنے کی آواز اور درختوں کے پتوں پر پڑتی بوندوں کی موسیقی اور پرندوں کی چہچہاہٹ کو محسوس کر سکتا ہے جو فطرت کی ایک حسین اور متحرک تصویر پیش کرتا ہے:

"مینہ موسلا دھار برستا جا رہا تھا۔ پتھروں کی اونچائیوں سے بھی اوپر برستے پانی کے ذرے سفید دھویں کی شکل میں پھیل رہے تھے اور نیچے بوٹے، جھاڑیاں اور گھاس اپنے آپ کو ظاہر کر رہے تھے کہ اُن کے آسے پاسے اور بیچوں بیچ پانی بہہ رہا تھا۔ یہاں اس اونچائی پر رکھ نہ تھے جو پانی کی راہ میں روکاوٹ بنتے، وہ کہیں نیچے تھے اور وہاں بھی مینہ برس رہا تھا۔ جہاں کہیں چٹانیں تھیں وہاں پانی ایک گہرے شور سے گر رہا تھا مگر جہاں پتے اور گھاس تھی وہاں اُس کی آواز کم ہوتی جاتی تھی۔ البتہ گرا ہوا پانی ایک ہلکی گونج کے ساتھ پتھروں اور ٹہنیوں کے بیچ بیچ پگڈنڈیاں بناتا بہہ رہا تھا۔ اور ہلکی نم پر شور تاریکی تھی۔ نہ دن تھا اور نہ

رات۔ بس مینہ تھا جو لگاتار گر رہا تھا اور کئی دن اور کئی رات سے مسلسل گر رہا تھا اور بوٹے
کی جڑوں میں مٹی کھلتی جاتی تھی۔ (32)

بستیاں ہمیشہ انسانوں سے آباد ہوتی ہیں اور انسان کی بقاء کا انحصار پانی پر ہے یوں پانی کا خاتمہ دراصل انسانیت کے خاتمے کے مترادف ہے۔ ماحولیاتی تغیرات فطرت کے زوال کا پیش خیمہ بن چکے ہیں جن کے پیچھے سب سے بڑا ہاتھ خود انسان اور اس کی ترقی یافتہ ایجادات کا ہے۔ صنعتی ترقی، بے تحاشا قدرتی وسائل کا استعمال اور ماحولیاتی توازن کو نظر انداز کرنا ایسے عوامل ہیں جنہوں نے زمین کو خطرناک تبدیلیوں سے دوچار کر دیا ہے۔ یہ تبدیلیاں نہ صرف زمین کی زرخیزی کو متاثر کرتی ہیں بلکہ انسانی تہذیب اور زندگی کی بقا کو بھی سنگین خطرات میں مبتلا کر رہی ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ عابد نسیم، ڈاکٹر، "جندر ایک ماحولیاتی مطالعہ" مشمولہ ششماہی متن، شمارہ ۲، جلد ۳، جولائی تا دسمبر ۲۰۲۲ء، بہاولپور، ص

۲۔ شیرل گلاٹفیلٹی، ہیرلڈ فروم The Ecocriticism Reader, Landmarks in Literary Ecology، یونیورسٹی آف جارجیا پریس، لندن، 1996، ص919

۳۔ اورنگ زیب نیازی، ڈاکٹر "ماحولیاتی تنقید: پس منظر، آغاز اور امتیازات" مشمولہ ششماہی بنیاد، گرمانی مرکز زبان و ادب، لمز یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۱۹، جلد ۱۰، ص20

۴۔ ایضاً، ص20

۵۔ ولیم روکرٹ، Literature and Ecology، مشمولہ (The Ecocriticism Reader) : مرتبین: شیرل گلاٹفیلٹی اور ہیرلڈ فروم، یونیورسٹی آف جارجیا پریس، جارجیا، 1996، ص107

۶۔ ولیم رونیکرٹ، "ادب اور ماحولیات: ماحولیاتی تنقید میں ایک تجربہ"، مشمولہ: ماحولیاتی تنقید نظریہ اور عمل، مترجمہ: ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی، اردو سائنس بورڈ، طبع اول، لاہور، ۲۰۱۹، ص12

۷۔ اورنگ زیب نیازی، ڈاکٹر "ماحولیاتی تنقید: پس منظر، آغاز اور امتیازات" مشمولہ ششماہی بنیاد، ص20

۸۔ اورنگ زیب نیازی، ڈاکٹر، اردو ادب: ماحولیاتی تناظر، سنگ میل پبلیشرز، لاہور، ۲۰۲۲، ص213

۹۔۔ اورنگ زیب نیازی، ڈاکٹر، "ماحولیاتی تنقید: پس منظر، آغاز اور امتیازات" مشمولہ ششماہی بنیاد، ص17

۱۰۔ ولیم ہاروتھ، Some Principles of Ecocriticism مشمولہ : The Ecocriticism Reader : Landmarks in Literary Ecology، مرتبین: شیرل اور ہیرلڈ فروم، یونیورسٹی آف جارجیا، 1996، ص77

۱۱۔ ڈریک گلیڈون، ایکو کرٹی سزم، www.oxfordbibliographies.com، تاریخ : ۲۱ فروری ۲۰۲۵ء

۱۲۔ قاسم یعقوب، "ادب اور فطرت ماحولیاتی تناظرات"، مشمولہ معیار، جلد ۲۲، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۹، ص243

۱۳۔ وکی پیڈیا، "بہاؤ"، آزاد دائرۃ المعارف، https://ur.wikipedia.org/wiki/، ملاحظہ : 20 اگست 2025
۱۴۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲، ص 151
۱۵۔ ایضاً، ص 269
۱۶۔ ایضاً، ص 14
۱۷۔ ایضاً، ص 240
۱۸۔ ایضاً، ص 157
۱۹۔ ایضاً، ص 16
۲۰۔ ایضاً، ص 9
۲۱۔ ایضاً، ص 66
۲۲۔ ایضاً، ص 117
۲۳۔ ایضاً، ص 9
۲۴۔ ایضاً، ص 19
۲۵۔ ایضاً، ص 231
۲۶۔ ایضاً، ص 230
۲۷۔ ایضاً، ص 27
۲۸۔ ایضاً، ص 187
۲۹۔ ایضاً، ص 10
۳۰ایضاً، ص 17
۳۱۔ ایضاً، ص 51
۳۲۔ ایضاً، ص 22

References in Roman Script

1. Abid Naseem, Dr., "Gender aik Maholiati Mutalia" Mashmoola Shishmahi Matn, Shumara 2, vol 3, July to December 2022, Bahawalpur
2. Cheryl Glotfelty, Harold Fromm, the Ecocriticism Reader: Landmarks in Literary Ecology, University of Georgia Press, London, 1996, p. 919
3. Aurangzaib Niazi, Dr., "Maholiati Tanqeed: Pas Manzar, Aaghaz aur Imtiyazat," Mashmoola Shishmahi Bunyad, Garmani Markaz Zaban-o-Adab, LUMS University, Lahore, 2019, Jild 10, p. 20
4. Ibid, p. 20

5. William Rueckert, Literature and Ecology, Mashmoola: The Ecocriticism Reader, Muratibeen: Cheryl Glotfelty aur Harold Fromm, University of Georgia Press, Georgia, 1996, p. 107
6. William Rueckert, "Adab aur Maholiat: Maholiati Tanqeed mein aik Tajurba," Mashmoola: Maholiati Tanqeed Nazriya aur Amal, Tarjuma: Dr. Aurangzaib Niazi, Urdu Science Board, Taba-e-Awal, Lahore, 2019, p. 12
7. Aurangzaib Niazi, Dr., "Maholiati Tanqeed: Pas Manzar, Aaghaz aur Imtiyazat," Mashmoola Shishmahi Bunyad, p. 20
8. Aurangzaib Niazi, Dr., Urdu Adab: Maholiati Tanazur, Sang-e-Meel Publishers, Lahore, 2022, p. 213
9. Aurangzaib Niazi, Dr., "Maholiati Tanqeed: Pas Manzar, Aaghaz aur Imtiyazat," Mashmoola Shishmahi Bunyad, p. 17
10. William Howarth, Some Principles of Ecocriticism, mashmoola Ecocriticism Reader: Landmarks in Literary Ecology, Muratibeen: Cheryl Glotfelty aur Harold Fromm, University of Georgia Press, Georgia, 1996, p. 77
11. Derek Gladwin, Ecocriticism, www.oxfordbibliographies.com, tareekh mulahiza: 21 February 2025
12. Qasim Yaqoob, "Adab aur Fitrat: Maholiati Tanazurat" Mashmoola Miyar, V22, International Islamic University, Islamabad, July–Dec 2019, p. 243.
13. Wikipedia, "Bahao" Azad Daaira-tul-Maarif, https://ur.wikipedia.org/wiki/, Mulahiza: 20 August 2025
14. Mustansar H.Tarar, Bahao, Sang e Meel Publications, Lahore, 1992. P.151
15. Ibid., p. 269
16. Ibid., p. 14
17. Ibid., p. 240
18. Ibid., p. 157
19. Ibid., p. 16
20. Ibid., p. 9
21. Ibid., p. 66
22. Ibid., p. 117
23. Ibid., p. 9
24. Ibid., p. 19
25. Ibid., p. 231
26. Ibid., p. 230
27. Ibid., p. 27
28. Ibid., p. 187
29. Ibid., p. 10
30. Ibid., p. 17
31. Ibid., p. 51
32. Ibid., p. 22